ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No4 2023

اردو مکتوب نگاری کی روایت میں۔"خطوطِ جوش کی انفرادیت"

***Dr khadim Hussain Rai**
Assistant Professor of Urdu &Head of department Urdu
Govt Shah Hussain College Chung Lahore
E.mail:khadimrai@gmail.com

****Muhammad Ali**
Lecturer, Urdu Department
Govt. Islamia Graduate College Railway road Lahore
E.mail:maliarshad@outlook.com

*****Zahida jabeen**
M.phil scholar
University of Lahore
Lahore campus
Email:zahidajabeen.78@gmail.com

****Muhammad Zaheer**
Ph.d Scholar
Lahore Leads University, Lahore
Email:zaheerkashir@gmail.com

ABSTRACT

JOSH Malihabadi is the only example of his kind as a person in the history of Urdu literature. He was very much open and out spoken in his everyday life and his writings. He confessed all about him in his autobiography یادوں کی برات and there is not much left behind. But on the other hand His personal letters reveal many thing and ideas of him and his relationship with other people. Khadim Hussain studied his letter with great zeal and dug out some very important and hidden aspects of Josh's life. In this article we also discussed the social aspect of his letters.

Keywords:JOSH,Urdu Literature,autobiography,relationship,Social Aspects

مکتوب نگاری کو انسانی تہذیب کے ارتقا میں کلیدی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ابلاغ انسانی فطرت کا ایک ناگزیر تقاضا ہے۔

اس کے بغیر انسانی تہذیب کا ارتقا ممکن نہیں؟ جب بھی کوئی انسان ایک دوسرے سے مخاطب ہو گا تو اس متخاطبت کے لیے ابلاغ ضروری ہے۔ خط نگاری پہلے پہل کاروباری ضرورتوں اور پیغامات پہنچانے کے لیے شروع ہوئی لیکن بعد میں باقاعدہ فن کی حیثیت اختیار کر گئی۔ فن خط نویسی نے مسلمانوں کے دَور میں خوب ترقی کی ہے۔ کیوں کہ خطوں کی نگہداشت کا سلسلہ عہدِ نبوتؐ سے شروع ہو گیا تھا۔ جن کا مقصد دیگر علاقوں اور ملکوں کے سربراہوں کو دعوتِ اسلام کو پہنچانا تھا۔ ان خطوط کو قابلِ قدر انشا پرداز صحابہ کرامؓ تحریر کرتے تھے۔ وہ ان کی حفاظت بھی کرتے تھے۔ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمرؓ نے بڑھتی ہوئی ضرورت کا احساس کر کے اس کے لیے باقاعدہ محکمہ انشا کا اہتمام کیا۔ عہدِ بنو اُمیہ اور عہدِ عباسیہ میں بھی فنِ خطوط نویسی اور محکمہ انشا کو ترقی دی گئی۔ خط نویسی ایک فن بن گیا تھا اور جسے سیکھنے کے لیے لوگوں کو برس ہا برس کی ریاضت کرنا پڑتی تھی۔ خط نویسی پر باقاعدہ کتابیں لکھی گئیں۔ ان کتابوں میں خط کی تعریف اقسام اور بطور خاص ان کے اُسلوب متعین کیے جاتے تھے۔

ہندُستانی مغل دَور میں مکتوب نگاری کو عربی کے بجائے فارسی میں سرکاری طور پر لکھا جانے لگا۔ اس طرح فارسی خطوط نویسی کا سلسلہ چل پڑا۔ ایران کے بجائے ہندُستان میں فارسی خطوط زیادہ لکھے جانے لگے اور زیادہ تر مجموعے بھی۔ جو سرکاری مراسلوں کے علاوہ صوفیوں اور علمائے دین کے خطوط پر مشتمل ہیں۔ عربی سے فارسی مکتوب نگاری کو جب سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور بادشاہوں اور دیگر رؤسا کو خط لکھنے کے لیے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق الفاظ لائے جانے لگے۔ جس سے مکتوب نگاری کا فن متاثر ہوا۔ سادگی کی جگہ مقفیٰ الفاظ داخل ہو گئے۔ مشکل پسندی کو رواج بخشا گیا۔ جس کی وجہ سے مکاتیب کے طرزِ نگارش اور اُسلوب پر بُرا اثر پڑا۔ بڑے بڑے القابات درج کیے جانے کے لیے دو دو، تین تین صفحات بھر جاتے۔ القابات کو الگ الگ لکھنا فن کی خصوصیت تصور کیا جانے لگا۔ مثلاً رقعات ابو الفضل، رقعات عالم گیر، انشائے خلیفہ، انشائے مادھو رام، فائق مہتر، بہار عجم وغیرہ۔ لیکن ان تمام مکاتیب میں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No4 2023

اورنگ زیب عالم گیر اور چندر بھان برہمن کا تذکرہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان دونوں مکاتیب نگاروں کا بنیادی فرق اور وجہ شہرت خطوط نویسی میں سلاست، سادگی اور مدعا نگاری تھی۔ فنِ خطوط نگاری کے اعتبار سے خط میں قطعیت، سادگی، مدعا نگاری، ایجاز و اختصار، خلوص، مناسبت اور موزونیت جیسیاوصاف ہونے چاہئیں۔ خطوط کے متعلق پروفیسر رشید احمد صدیقی کا قول منسوب کیا جاتا ہے کہ "بہترین خط وہ ہوتے ہیں جو پڑھ کر پھاڑ دیئے جاتے ہیں"۔ لیکن ڈاکٹر سیّد عبد اللہ اس بات سے اتفاق نہیں کرتے ہیں اور اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"فن جس خط کو اعلا قرار دیتا ہے وہ تہذیبِ نفس اور حُسنِ کلام کا غیر معمولی آمیزہ ہوتا ہے۔ اس میں سلیقہ اور شائستگی (نفاست طبع اور لطافت قلم) کا ایسا امتزاج ہوتا ہے کہ کوئی بے درد ہی ان کو پھاڑنے کی جرأت کر سکے گا"۔ ا

اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے سیّد عبد اللہ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ محض عاشقانہ جذبات کے اظہار سے بھی کوئی خط اعلا نہیں بن جاتا بل کہ عاشقانہ جذبات کے ساتھ ساتھ لطافت و توازن کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ انیسویں صدی کے وسط میں جب فارسی کی کاروباری حیثیت کو زوال ہوا اور اُردو نے اس کی جگہ لے لی تو اُردو میں مراسلت کا رواج زیادہ بڑھتا گیا۔ اب عام خط و کتابت انگریزی کے علاوہ اُردو ہی میں کی جاتی ہے۔

اُردو خط نگاری کا اولین دور فارسی انداز سے متاثر تھا۔ وہی القاب و آداب، وہی سرنامے، وہی عنوان، وہی اختتامیے، وہی رنگِ انشا، وہی رنگینی اور وہی تکلف مگر انیسویں صدی کے ربع اوّل میں سادگی کا کچھ کچھ میلان پیدا ہوا چناں چہ "انشائے بے خبر" سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئی طرز کی ایجاد کا سہرا صحیح معنوں میں "غالبؔ" کے سر ہے۔ ۱۸۴۱ء کے لگ بھگ انھوں نے نئے انداز میں خط لکھ کر اُردو میں نہ صرف مکتوب نگاری کی طرز نو نکالی بل کہ خود اُردو نثر کو بھی ایک بدیع طرز نگارش سے آشنا کیا۔ گویا اُردو مکتوب نگاری کی روایت میں پہلا دَور غالبؔ اور اس کے معاصرین کا آتا ہے۔ اس کی پہلی خوبی یہ ہے کہ اس میں اُردو مکتوب نگاری کا آغاز ہوا اور مراسلے کو مکالمہ بنانے کے بعد القاب و آداب سے اجتناب برتنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

اس دور کی عام خصوصیت سادگی اور بے تکلفی تھی اور غالب کے عہد میں ہی سادہ نگاری اور مدعا نگاری کو فروغ ملا۔ غالبؔ کو خطوط نگاری کے سلسلہ میں اگر حیوان ظریف کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کے مکاتیب میں ایک ظریف انسان کی روزمرہ کی زندگی کے معاملات اور گفت گو شامل ہے۔ جس میں سادگی، سلاست، ظرافت، بذلہ سنجی، معنی آفرینی، مخاطب سے بے تکلفی، بے گانگی، جدت طرازی، خلوص و صداقت، مراسلہ کو مکالمہ بنانے کی صلاحیت، غائب کو حاضر تصور کرنا، مجلس آرائی، آداب و القاب میں بے تکلفی، حفظِ مراتب کا خیال اور بعض اوقات براہ راست ادائے مطلب، انسانی جذبات کی قدر و منزلت، غم کو خوشی میں تبدیلی الغرض ان کا ہر خط اَدبی صلاحیت سے مزین ہے۔

غالب کے معاصرین میں سرور اور امام شہید مکتوب نگاری کرتے رہے لیکن ان کے خطوط میں رنگینی عبارت موجود ہے۔ اس کے علاوہ واجد علی شاہ کے خطوط ان کی بیگمات کے نام ملتے ہیں۔ ان میں جذبات و احساسات کی شکلیں ملتی ہیں۔ زندگی کے عام معاملات کا اظہار پایا جاتا ہے۔ لیکن کلی طور پر ان کے خطوط سادہ نگاری کے زمرے میں نہیں آتے۔ البتہ سادگی سے ان کو تحریک ضرور ملتی دکھائی دیتی ہے۔ اس دَور کے مذکورہ مکتوب نگاروں سے ہٹ کر ایک صاحب نظر آتے ہیں۔ ان کا نام غلام غوث بے خبر ہے۔ ان کے خطوط میں وہی غالبؔ والا اندازِ بیان ملتا ہے اور اگر اُنھیں غالبؔ ثانی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ مکتوب نگاری میں غالبؔ کے دَور کے بعد سر سیّد کا دَور شروع ہوتا ہے اس دَور میں اُردو مکتوب نگاری ایک عام رجحان بن جاتا ہے۔ اس دور کے مکتوب نگاروں کے ہاں سادہ بیانی کی تحریک کے ساتھ ساتھ انگریزی الفاظ کا کثرت سے استعمال ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُردو کے ذخیرہ الفاظ میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہوا ہے۔ دوسرا کام عربی آیات اور تاویلات و تمثیلات کا استعمال ہے۔ جس سے اس دَور کے مکتوب نگاروں کے مذہبی رجحانات کو معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ تیسری چیز اس دَور کے خطوط نگاروں کے مکاتیب کی تاریخی، سیاسی اور معاشرتی حیثیت ہے۔ جو ان مکاتیب نگاروں کو زمانے کی نگاہوں میں ممتاز کرتی ہے۔

اس دَور کے مکتوب نگاروں کے ہاں جزئیات نگاری، اور سنجیدہ مضامین کی کثرت نظر آتی ہے۔ اس عہد کی مکتوب نگاری کی عام خصوصیات کے علاوہ بعض شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی اپنی منفرد خصوصیات ہیں۔ ان میں سر سیّد احمد خاں سب سے پہلے آتے ہیں۔ ان کے خطوط میں بھی ان کی نثر کی طرح مدعا اور مقصد غالب نظر آتے ہیں۔ ان کے خطوط پیغام سے بڑھ کر خطابت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے خطوط میں اَدبی لطافت، سادگی اور بے ساختہ اظہار کی دل کش کیفیات سے بھی بھرپور ہیں۔

نواب محسن الملک کے خطوط کی منفرد حیثیت جدید طرز انشا پردازی اور سنجیدہ و پختہ تحریر سے عبارت ہے۔ ان کے خطوط میں قرآنی آیات کا کثرت سے استعمال اور صاف گوئی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وقار الملک کے مکاتیب کی انفرادیت ان کی تمثیل نگاری ہے۔ باقی خصوصیات دیگر مکتوب نگاروں کے ہاں بھی موجود ہیں۔ مولوی نذیر احمد کے خطوط میں جزئیات نگاری اہم ہے یہ ان کے مکاتیب کی خوبی بھی ہے اور بعض اوقات اس کی وجہ سے ان کے خطوط طوالت کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر نقش کو بڑی خوب صورتی سے اُبھارتے ہیں اور کوئی بھی نقش آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا ہے۔ دوسری خصوصیت محاورات کا بر محل اور خوب صورت استعمال ہے۔ تیسری خصوصیت واعظانہ انداز جس کو وہ آیات و تمثیلات سے مزین کرتے ہیں۔

مولانا الطاف حسین حالی کے خطوط سادگی اور بے تکلفی کا بہترین نمونہ ہیں اور شاید ان کا یہی انداز ان کو ان کے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے۔ خلوص اور آداب و القاب کے حوالے سے حالی، غالب کے قریب آجاتے ہیں۔ ان کے خلوص اور استعارات کے بر محل استعمال کی وجہ سے ان کی تحریروں کو روکھا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شبلی کے خطوط اپنی تازگی، ندرت،

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No4 2023

ایجاز، اپنے سخن آشنا انداز کے باعث مستقل قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ ان کے خطوط کی خاص صفت اختصار ہے مگر جذباتیت پر اختصار پردہ ڈال دیتا ہے۔ مولانا شبلی کے مکاتیب میں طنز کے نشتر بھی برابر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔

محمد حسین آزاد کی مکتوب نگاری کا طرۂ امتیاز زبان کی شرینی اور اَدبی رنگینی ہے۔ انشا پردازی ان کی تحریر کا خاص وصف ہے جو غالباً ان کی نثر کا رنگ ہے۔ داغ کے خطوط بھی اپنے اندر منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے خطوط طنز و ایما، مکالمے کا رنگ اور شاعرانہ طرز اَدا کا پَرتو رکھتے ہیں۔ ان کے مکالمے کا رنگ غالب کے دَور کی یاد تازہ کرتا ہے۔ امیر مینائی کے خطوط میں مشاہیر و اُدبا کے اسالیب اور تحریروں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ عبارت کی سادگی کے ساتھ ساتھ محاورے اور زبان کا چٹخارہ بھی ہے۔ ان کے ہاں الفاظ کے انتخاب کا خاص التزام نظر آتا ہے۔ اس عہد کی شخصیات میں سے اکبر الہ آبادی ایک منفرد شخصیت ہے۔ ان کے خطوط میں ایک خاص دل چسپی اور اختصار پایا جاتا ہے۔ وہ اختصار کی خشکی کو ظرافت اور اشعار کے استعمال سے معتدل بناتے ہیں بل کہ ظرافت میں کہیں کہیں غالب سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اسی ظرافت کی بنا پر وہ کئی پیچیدہ مسائل کو بیان کر جاتے ہیں۔ یہی ان کی انفرادیت کی علامت ہے۔

مکتوب نگاری کا تیسرا دَور علامہ اقبالؔ اور ان کے معاصرین کا ہے۔ ان ادیبوں نے اپنے سے قبل کی مکتوب نگاری کے رنگ اور نقوش کو اپنایا اور اپنی انفرادی خصوصیات کو اُبھارا ہے۔ اس دَور کی پہلی خصوصیت مغربی عالموں کے رنگ کو مکتوب نگاری میں سمونا ہے۔ جس کی بہترین مثال مہدی الافادی اور علامہ اقبالؔ کے ہاں نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مثال ساحرانہ اور فلسفیانہ طرز تکلم ہے جو اس دَور کے تقریباً ہر مکتوب نگار کے ہاں کم و بیش پایا جاتا ہے۔ واقعیت، حقیقت نگاری اور نثر میں شعریت کا ایک طرزِ خاص موجود ہے۔ تنقیدی شعور اس عہد کی ایک فطری صلاحیت اور خصوصیت ہے۔ علاوہ ازیں بعض شخصیات کی انفرادی حیثیت بھی سامنے آتی ہے۔ مہدی الافادی کے خطوط میں پختہ تنقیدی شعور پایا جاتا ہے۔ ان کے خطوط کی وجہ سے اور مکتوب نگاری میں تنقیدی صلاحیت متعارف ہوئی ہے۔ مہدی کے خطوط کی رمزیت، تلمیح اور سنجیدگی میں چھپی ہوئی صنفی شوخیوں کے سامنے بعض اوقات غالب کے خطوط بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔ یہی منفرد خصوصیات ان کی انفرادیت کا باعث ہیں۔

مولانا ابو الکلام آزاد کی مکتوب نگاری اختصار کے نقطہ عروج پر ہے۔ ان کے خطوط میں جوش، غرابت، فاضلانہ طرز تخاطب، کہیں سادگی، اخلاق، اختراع و ایجاد و قرآن و حدیث کے اقتباسات، عربیت، ساحرانہ طرزِ تکلم، نثر کی شعریت، ہم کلامی کی آرزو جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو مکتوب نگاری میں ان کا خاص مقام متعین کرتی ہیں۔ اس عہد میں نہایت اہم مکتوب نگار اقبالؔ ہیں۔ ان کے خطوط کی حیثیت عالمانہ، عملی اور سیاسی ہے۔ مطالب کے بیان کے لیے علمی عبارت سے کام لیتے ہیں۔ ان کے خطوط میں مدعا بہت زیادہ ہے۔ بغیر مطلب کے کوئی بات نہیں کرتے۔ ان کے خطوط کے بارے میں سیّد عبد اللہ اپنے مضمون ''اُردو خط نگاری'' میں لکھتے ہیں:

> ''آئمہ اَدب میں سے اقبالؔ ایک ایسے شخص ہیں جن کے خطوط میں مغرب کے بلند پایہ عالموں کے مکاتیب کا علمی رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے خط علمی اور سیاسی افکار کے مخزن ہیں اور ان سے اقبالؔ کے اپنے فکر اور شاعری پر اتنی روشنی پڑتی ہے کہ ان کا کوئی سوانح نگار بے نیاز نہیں ہو سکتا''۔ ۲

علامہ اقبالؔ کے خطوط میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ مطلب کی بات کہتے ہیں۔ ان کے خطوط میں اَدبی آرائش و زیبائش نظر نہیں آتی اور نہ وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ مدعا کے علاوہ کچھ نہ لکھنے کے عادی ہیں یعنی جہاں ان کا مدعا ختم ہوتا ہے وہیں پر اپنا قلم روک لیتے ہیں۔ ان کے خطوط میں ان کی شخصی عادات و اطوار اور ذوق کی بجائے ان کی فکر اور تصورات کی تشریح ہوتی ہے۔ ان کے خطوں میں تہذیب، نفاست، شائستگی اور سلیقہ سب کچھ موجود ہے۔ وہ اپنے مکتوب الیہ کی تفریح کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں۔

عہدِ مذکورہ کی چوتھی اہم شخصیت مولوی عبد الحق ہیں۔ اُسلوب کا اعلا درجہ ان کے خطوط میں ملتا ہے۔ ان کی مدعا نویسی اور تبلیغ، مکتوب نگاری میں اپنی مثال آپ ہے۔ ان کا ہر خط اپنی سادگی اور بلاغت کے اعتبار سے ایک اَدب پارہ ہے۔ ان کے خطوط خالص کاروباری اور پیغامی ہونے کے باجود اَدبی شان، خلوص اور واقعیت نگاری رکھتے ہیں اور سادگی کا بہترین نمونہ ہیں۔ سیّد سلیمان ندوی، محمد علی ردولوی، نیاز فتح پوری، حبیب الرحمان شیروانی، مہاراجہ سرکشن پرشاد۔ شیخ عبد القادر اور محمد علی جوہر اس دَور کے مکتوب نگار ہیں۔ ان کے مکاتیب میں عموماً سادگی، جزئیات نگاری، واقعیت، خلوص اور ہلکی ظرافت اور مزاح پایا جاتا ہے۔ بے ساختہ کلام، عام بول چال کی زبان، روزمرہ کی گفت گو کی زبان کا استعمال اور انداز خطابت دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۹۳۶ء میں حقیقت نگاری اور نفسیات کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوا جس کے زیر اثر اس دَور کی خط نگاری میں واقعیت نگاری آئی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ معاشرے نے اپنے رسوم و آداب میں تبدیلی کو جگہ دی جس سے معاشرت نے نئی کروٹ لی۔ اس کا واضح اثر خط نگاری پر بھی ہوا اور واقعیت نگاری کو بطور خاص استعمال کیا جانے لگا اور اس سے قبل خطوں میں اپنی ذات کو چھپانے کی جو روش چل رہی تھی وہ تبدیل ہو گئی۔ صاف گوئی کا میلان عام ہو گیا۔ پرانی وضع داریاں اور قدیم رویوں کے خلاف بغاوت نظر آتی ہے۔ ان خطوط میں اس دور کی افراتفری اور پریشانی کے تمام نقوش دکھائی دیتے ہیں۔ ان خطوں میں نظم اور اہتمام کی کمی بھی ہے۔ ادبیت کے لیے بھی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔ البتہ حقیقت پسندی اور واقعیت نگاری کے غلبے نے خط نگاری پر خاص اثر چھوڑا ہے۔

اس دَور میں خطوں کے چند مجموعے شائع ہوئے۔ جیسے ہم عصر شعرا کے خطوط (مرتبہ: ضیا الاسلام) اور روحِ مکاتیب (مرتبہ: ساغر نظامی) ضیا الاسلام کے مرتبہ خطوط میں جن شعرا کے خطوط شامل ہیں۔ ان میں جوش ملیح آبادی، جگر مراد آبادی، ساغر نظامی، آزاد انصاری، تاجور نجیب آبادی، دل شاد جہان پوری، سیماب اکبر آبادی، حفیظ جالندھری اور اعظم خسروی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No4 2023

شامل ہیں۔

دوسرا مجموعہ جس کو ساغر نظامی نے مرتب کیا ہے اس میں بھی کم و بیش وہی علمی اور اَدبی و سیاسی شخصیات ہیں جن کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے ان میں مزاح اور ظرافت کے لحاظ سے شوکت تھانوی کا مجموعہ "بار خاطر" بھی ہے۔ ان سب خط نگاروں میں جوشؔ ملیح آبادی اور فراقؔ کے خطوط خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جوشؔ کے خطوں میں صاف گوئی اور بے باکی پائی جاتی ہے۔ لیکن فراق کے خط بھی صاف گوئی میں جوشؔ ملیح آبادی کے خطوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ مگر جب علمی موضوع زیرِ بحث آتا ہے تو ان کے خطوں میں فاضلانہ اور علمی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ ساغر نظامی 'روح مکاتیب' میں فراق کے متعلق ایک نوٹ میں لکھتے ہیں:

> "اپنے خطوں میں وہ اپنے تمام وجود کے ساتھ نمایاں ہے وہی نکلی ہوئی آنکھیں، آنکھیں مٹکاتا ہوا عجیب عجیب حرکتوں کے ساتھ کرشن جیسی دل کش اور دل دوز حرکتوں کے ساتھ ایسی بے ساختگی اور سادگی شاید ہی کسی کے خطوں میں نظر آئے اور اتنی صداقت جو فراقؔ کی اخلاقی بلندی اور فطرت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے"۳

ان مجموعوں کے بعد اُردو مکاتیب کے تین اہم مجموعے اور بھی شائع ہوئے ہیں ان میں "نقوشِ زنداں"۔ سیّد سجاد ظہیر کے خط اپنی بیوی کے نام "زیر لب" صفیہ اختر کے خط اپنے شوہر، جاں نثار اختر کے نام اور "عزیزم کے نام خط" (ڈاکٹر تاثیر کے خط اپنے شاگرد عزیز محمود نظامی کے نام) اور ان کے علاوہ چودھری محمد علی ردولوی کے خطوں کا مجموعہ "گویا دبستان کھل گیا" اکادمی پنجاب نے شائع کیا ہے۔ یہ چاروں سلسلے خطوں کے جداجدا جدید ترین مذاق کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں۔ "نقوشِ زنداں" میں سجاد ظہیر کے خطوط اپنی بیوی کے نام ہیں جس میں وہ اپنی محبت کے دَور کو محسوس کرتے ہیں۔ بل کہ ان کے خطوط میں ایک خلوص اور واقعیت نگاری ہے کسی قسم کی کوئی تصنع اور بناوٹ نہیں ہے۔ یہ خطوط گھریلو ماحول کی عملی تصویر ہیں۔ ان خطوط میں خط نگار اپنے جذبات کا اظہار ہی نہیں کرتا بل کہ مکتوب الیہ کے جذبات اور ان کا ردِّ عمل بھی ہے۔ ان خطوط میں صاف گوئی تو ہے لیکن بے باکی نہیں۔ وقار، ٹھہراؤ اور تہذیب سب کچھ ان میں موجود ہے۔ سچی محبت، اپنی ساری شرافتوں اور متانتوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ البتہ کہیں کہیں تخیل بھی موجود ہے۔ بے جا جذباتیت کسی خط میں بھی نہیں ہے۔ "نقوشِ زنداں" کے خط اُردو خطوط نگاری کی روایت میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

"زیر لب" ایک خاتونِ خانہ کے خطوط ہیں۔ ان میں جنوبی ایشیا کی ایک پڑھی لکھی عورت کے احساسات و جذبات کی تصاویر ملتی ہیں۔ ان خطوں میں ذاتی اور خارجی حالات کے مسائل سے پیدا ہونے والے زخم دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان خطوط میں پیاس ہی پیاس ہے اور ایسی پیاس ہے جس سے لب صرف خشک ہی نہیں ہوتے بل کہ پھٹ بھی رہے ہیں۔ یہ عورت کی قدرتی جذباتیت ہے۔ مجموعہ زیر لب کا تصور پیش نہیں کرتا بل کہ ایک فریاد بر لب ہے۔ ان خطوں میں واقعات کم ہیں اور جذباتیت زیادہ ہے۔ سادگی، بے تکلفی اور خلوص ان خطوط کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ گرم جوشی اور غم کی تپش نے قدرے ان خطوط کی فضا کو تلخ بنا دیا ہے۔ یہ خطوط بھی اس لحاظ سے انفرادیت رکھتے ہیں۔ "عزیزم کے نام خط" جو ڈاکٹر تاثیر نے اپنے شاگرد عزیز محمود نظامی کے نام لکھے ہیں۔ ان کا انداز علمی اور بیش تر جزئیات بھی علم و فضیلت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان خطوط میں خلوص تو ہے لیکن بے تکلفی نہیں ایک رکھ رکھاؤ ہے۔ جو فاصلہ ایک اُستاد اور شاگرد کے درمیان ہوتا ہے وہ قائم ہے۔ ذاتی تفصیلات کے بجائے افادہ و تربیت مدِّ نظر ہے۔ ان کے خطوط علمی بحث کی وجہ سے طویل اور بعض اوقات ثقیل ہو جاتے ہیں۔ "گویا دبستان کھل گیا" ایک ایسے شخص کے خطوط ہیں جس نے خط نگاری کو ایک ضروری شعبہ قرار دے رکھا ہے۔ ان خطوں میں ذہنی فراغت اور روحانی سکون کی فراوانی ہے۔ ان میں گھریلو پن بھی اور حقیقت بھی اور جزئیات نگاری سے دل چسپی بھی پیدا کی ہے۔ غالبؔ کی طرح وہ ماحول کی تفصیل بندی کا خاص خیال رکھتا ہے۔ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ خط نگار کو مکتوب الیہ کی قلبی کیفیت کا بہر حال خیال ہمہ وقت رہتا ہے۔ چودھری محمد علی کو اُردو کا مکتوب نگاری کا ادیب کہا جاتا ہے۔ ان کے خطوط میں اُسلوبِ بیان نے یہ ثابت کیا ہے کہ کامیاب ادیب اگر چاہے تو بات چیت اور تحریر کے درمیانی فاصلوں کو بالکل مٹا سکتا ہے۔

اُردو مکتوب نگاری میں موجودہ دَور کا ایک اہم نام داؤد رہبر کا ہے۔ ان کے مکاتیب کا مجموعہ 'سلام و پیام' کے نام سے ۱۹۹۶ء میں سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور والوں نے شائع کیا ہے۔ اس مجموعہ میں اُنھوں نے اپنے عہد کے نقاد محقق، اساتذہ اور دیگر احباب کے نام خطوں کو شامل کیا ہے۔ داؤد رہبر اورینٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر محمد اقبال کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ علم و اَدب کے ساتھ اُنھیں گہری وابستگی ہے۔ اپنے قیام یورپ و امریکا کے دوران خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اس کو اُنھوں نے مکاتیب کے مجموعہ میں پیش کیا ہے۔ ان کے خطوط میں معروف لوگوں کے نام خطوط بھی پائے جاتے ہیں۔ 'سلام و پیام' کی صورت میں ان کا اُسلوب نرالا ہے۔ بلا تکلف گفت گو کرتے ہیں۔ عربی، فارسی اور اُردو زبان اور اَدبیات پر اُنھیں دست رس حاصل ہے۔ ان کے خطوط میں علمی انداز دیکھنے کو ملتا ہے۔ اپنے دوستوں سے گفت گو بلا تکلف کرتے ہیں۔ مکالمہ کی کیفیت بھی ان کے خطوط کا خاصہ ہے۔ ۱۹۴۹ء سے بیرون ملک چلے گئے۔ لیکن مشرقی روایات اور تہذیب تمدن سے اُنھیں گہرا لگاؤ ہے۔ وطن سے دُوری کا ذکر بھی اپنے خطوط میں بڑی گرم جوشی سے کرتے ہیں۔ اپنے ملنے والے دوستوں کے ساتھ ان کا رابطہ بہت پختہ ہے۔

ان کے خطوط میں القابات بڑے نرالے ہیں۔ کوئی لمبی چوڑی تمہید نہیں بیان کرتے بل کہ اپنا مدعا بیان کر دیتے ہیں۔ ان کی طبیعت میں مزاح بھی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ بڑے مزے کے مزاحیہ اور معنی خیز جملے بغیر کسی رکاوٹ کے بولتے جاتے ہیں۔ اُسلوبِ بیان سادہ ہے۔ اس میں اَدبی شان دکھائی دیتی، سلاست، روانی اور برجستگی ان کے اُسلوب کی اہم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No4 2023

خصوصیات ہیں۔ القابات بھی مخاطب کے رتبہ مقام اور حیثیت کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ اَدبی ذوق، اَدبی مضامین، تحقیقی مضامین اور دیگر رسائل کے مضامین ان کے خطوط کا موضوع بنے رہتے ہیں لیکن اپنے بے تکلف دوستوں کے ساتھ ان کے خطوط میں ان کی بے تکلّفی واضح نظر آتی ہے:

> ''امریکا میں جس چیز کو مَیں ترسا ہوا ہوں وہ ہے گرمی قلب سچی بات کہوں نہ کہہ دوں یورپ کی اقوام نے (جس میں اہالیان امریکا شامل ہیں) صاحب دماغی تو ایسی دکھائی کہ قدرت بھی انگشت بدنداں ہے لیکن صاحب دلی ان اقوام میں کم یاب ہے''۔۴

ان کے خطوط کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فاصلوں کی دُوری کو تحریر کے ذریعے سے ختم تو اگرچہ نہیں کیا جاسکتا لیکن کم ضرور کیا جاسکتا ہے۔ دائود رہبر کے خطوط اس دَور میں اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ وقت گزرنے کے ساتھ اور بھی مکاتیب عالم اَدب جلوہ افروز ہوتے رہیں گے۔ ان پر بھی اہلِ علم، نقد و تبصرہ کرتے رہیں گے۔

زیر نظر کتاب ''خطوط جوشؔ''، جو کہ جوشؔ کے اُن خطوط پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے تقسیم سے قبل اور بعد کے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جن سے کسی نا کسی طور پر ان کا تعلق اور وابستگی تھی۔ خطوط دراصل کسی شخص کی نجی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں کسی بڑی اَدبی یا سیاسی شخصیت کی نجی زندگی کو معلوم کرنے کے لیے بہت ساری معلومات بھی ہوتی ہیں۔ ان معلومات کے ذریعے تحقیق کے نئے راستے بھی نکلتے ہیں۔ خطوط میں عام طور پر مصنف کا انداز بلا تکلف ہوتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی صناعی اور بناوٹ نہیں ہوتی ہے۔ اس طرح اس کا اصل چہرہ اور رُوپ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اس کتاب کو راغب مراد آبادی نے مرتب کیا ہے۔ راغب کے جوشؔ سے دیرینہ اور قریبی تعلقات رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے ان تمام خطوط کو شامل کیا ہے جو ان کو دست یاب ہوئے۔ 'خطوط جوشؔ' ۱۹۹۸ء میں اشاعت کے مراحل سے گزرے اور ویلکم بک پورٹ، کراچی والوں نے اس کو شائع کیا۔ یہ کتاب دو سو انسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں سو سے زائد خطوط کو جمع کیا گیا ہے۔

ان خطوط میں معروف اَدبا، سیاست دان اور ان کے خاندان کے لوگ شامل ہیں۔ ہر ایک خط کی تحریر میں اس کے مکتوب الیہ کی نفسیات اور مقام و مرتبہ کے مطابق بات کی گئی ہے۔ سب سے اہم اور ڈرامائی انداز میں جو خطوط ہمارے سامنے آئے ہیں وہ جوشؔ ملیح آبادی کی آخری محبوبہ 'فتنہ آخر الزماں' کے نام ہیں۔ راغب مراد آبادی نے اہم خطوط کا عکس بھی پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مکتوب الیہ کا مختصر تعارف بھی کروایا ہے کہ یہ لوگ کون ہیں ان کا مقام و مرتبہ کیا ہے تاکہ قاری کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ 'خطوط جوشؔ' کے دیباچہ میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی نے ''خطوط جوشؔ' جوشؔ شناسی میں اہم قدم' کے عنوان سے اپنا مضمون قلم بند کیا ہے۔ جس میں انھوں نے جوشؔ کے خطوط کا اُسلوب ان کا مقام و مرتبہ اور اَدبی حیثیت کا جائزہ پیش کیا ہے:

> ''زیرِ نظر تالیف ''خطوط جوشؔ'' کا مطالعہ میرے دعوا کے لیے قوی دلیل فراہم کرے گا اور ایسی دلیل کہ آپ جوشؔ اور راغب مراد آبادی کے تعلقات کی نوعیت پر حیران اور ششدر رہ جائیں گے۔ میری حیرانی ''مکالمات جوشؔ و راغب'' کے مطالعہ سے شروع ہوتی تھی۔ جس میں جوشؔ اپنے عقائد اور نجی خیالات کے بیان میں ایک شمشیر برہنہ کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ لیکن زیر نظر ''خطوط جوشؔ'' میں تو بعض ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ اگر ان خطوط کو شرطیہ طور پر تنہائی میں بھی پڑھا جارہا ہو تو نگاہ احتیاط دفعتاً اِدھر اُدھر گھوم جاتی ہے''۔۵

مذکورہ بالا تحریر میں جوشؔ کی بے باکی اور صاف گوئی کا کتنے کھلے انداز میں تذکرہ ملتا ہے۔ جوشؔ نے اپنی تمام وارداتِ عشق اور نجی زندگی کے معمولات کو کس قدر کھلے طور پر بیان کر دیا ہے۔ وہ جرأت سے کام لیے ہیں۔ وہ زمانے کی روایات سے گھبراتے نہیں بل کہ صاف گوئی کا دامن ہاتھ میں لیے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اس صاف گوئی کی وجہ سے بعض اوقات ان پر طعن و تشنیع بھی کی جاتی ہے۔ ''خطوط جوشؔ'' میں جن حضرات کے نام شامل ہیں ان میں مولانا ابو الکلام آزاد، بابا ذہین شاہ تاجی، راغب مراد آبادی، رئیس امروہوی، خورشید علی خاں، منور عباس، میاں محمد صادق، میرزا جعفر حسین، ساحل بلگرامی، جمیل نشتر، سیّد مقبول حسین سیفی نوگانوی، پیار علی الانہ، غلام مصطفی جتوئی، فتنۂ آخر الزمان، مولوی عبد الحق، محسن بھوپالی، فراست رضوی، شیخ عنایت اللہ، سیّد ہاشم رضا، غلام محمد (گورنر جنرل)، ہلال نقوی، سعیدی خاتون، سجاد حیدر خان، تابش دہلوی، آغا حسن عابدی، آغا ساحل قزلباش اور اختر حسین رائے پوری کے علاوہ دیگر افراد خانہ اور غیر معروف لوگوں کے نام خطوط اس مجموعے میں ملتے ہیں۔

خطوطِ جوشؔ میں کچھ احباب کو انفرادیت حاصل ہے۔ ان میں منور عباس، خورشید خان، میاں محمد صادق، ذہین شاہ صاحب تاجی کے نام خط ہیں۔ ان خطوط میں جوشؔ نے اپنے عہدِ جوانی کے مذہبی عقائد کے بارے میں خاص طور پر گفت گو کی ہے جوشؔ نے تقلید محض، علمائے سو کی منافقت اور نام نہاد علما کے جہل اور ان کی ہمہ دانی کے خلاف جذباتی انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ ان کے خطوط میں مذہبی منافقت پر کافی مواد ملتا ہے۔ انھوں نے اسے اپنے ان خطوط میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں مرزا جعفر حسین کے نام خطوط بڑے اہم ہیں۔ جن میں جوشؔ نے اپنی نجی زندگی کے بڑے اہم واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کچھ خطوط تو صرف کاروباری اور زمین کے کیس کے بارے میں ہیں۔ لکھنؤ میں اپنی جوانی کی جو شامیں جوشؔ نے مرزا جعفر حسین کے مکان پر گزاری ہیں ان کا ذکر ان خطوط میں ملتا ہے۔ دوسرا ان کے ساتھ جوشؔ کو تکلم میں تکلف نہیں ہے۔ یہ بڑے کام اور تحقیق سے تعلق رکھنے کی شے ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No4 2023

جوشؔ ملیح آبادی کے زیر نظر خطوط میں منور عباس، خورشید علی خاں اور راغب مراد آبادی کے نام اب تک شائع ہونے والے خطوط منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ جوشؔ نے ان احباب کے نام خطوط میں جس قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کیا ہے۔ غالباً جوشؔ کے خطوط میں کسی اور مکتوب الیہ کے نام ایسا اظہار نہیں ملتا ہے۔ انھوں نے دیگر خطوط میں فتنۂ آخر الزماں کا ذکر جس بے تکلفی سے کیا ہے وہ بھی لائقِ تحسین ہے۔ ۷۵ سال کی عمر میں ایسی مثال کم ہی ملتی ہے لیکن ان تمام خطوط میں سب سے زیادہ ''ڈرامائی خطوط'' ایک نوجوان محبوبہ کے نام ہیں۔ جس کا ذکر جوشؔ اکثر راغب، خورشید علی اور منور عباس کے خطوط میں بھی کرتے ہیں، جس کو وہ بڑے پیار سے فتنہ آخر الزماں، چنٹو اور سمن کہہ کر پکارتے ہیں۔ جوشؔ نے جس جرأت مندی اور بے باکی سے اپنے آخری عشق کا تذکرہ کیا ہے اس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جوشؔ نے اپنی عشقیہ کیفیات کے بیان میں کسی ابہام سے کام نہیں لیا۔

جوشؔ کا آخری عشق ۱۹۷۳ء میں ریکارڈ ہونا شروع ہوا اور ۱۹۸۰ء تک رہا کیوں کہ ۱۹۸۱ء ان کا مرض الموت کا سال ہے اور اس سال کے کسی خط میں ''فتنہ آخر الزماں'' کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ جوشؔ کے ان خطوط سے اس بات کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ جوشؔ نے منور عباس اور راغب کے حوالے سے ''یادوں کی برأت'' میں فتنہ آخر الزمان کا جو ذکر کیا ہے تو ان خطوط سے اس کے اس عشق کی صداقت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ جوشؔ کے خطوط کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں:

> ''ان خطوط کی اہمیت یہ ہے کہ ان سے جوشؔ ملیح آبادی کے سابقہ عشقیہ قصوں کے بارے میں تہمتوں اور ان کے اُسلوب نگارش کے کلامی نکتہ کی تقسیم میں مدد ملتی ہے۔ جوشؔ صاحب بہ اعتبار فکر ''انقلابی'' اور بہ اعتبار ہیئت 'کلاسیکی یا روایتی' تھے۔ وہ روایتی طریقہ اظہار جو آج سے ۸۰۔۹۰ سال پہلے کے ڈراموں کے ڈائیلاگ کی یاد دلاتا ہے۔ آج کے نوجوانوں کے لیے قابلِ تقلید نہ ہو لیکن اس صدی کے شروع دور کی مرصع نثر کی تکرار ضرور ہے۔ جو جوشؔ کے لیے قدرتی اُسلوب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔''۶

مذکورہ بالا اقتباس میں بھی جوشؔ کے خطوط کی اہمیت ان کے عشقیہ قصوں کی تصدیق اور تفہیم میں مدد سے مختص ہے۔ یہ دُرست ہے کہ جب بھی کسی ایک واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کو دُرست ثابت کرنے کے لیے کئی قسم کے دلائل کی ضرورت پڑتی ہے۔ 'خطوط جوشؔ' نے ان واقعات کو جو انھوں نے 'یادوں کی برأت' میں اپنے معاشقوں کے بارے میں لکھے تھے۔ ان خطوط کی وجہ سے ان واقعات کی کسی حد تک تصدیق ہو جاتی ہے۔ یہ خطوط اس کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں۔ راغبؔ مراد آبادی نے 'فتنۂ آخر الزماں' سے متعلق اس کے خط اور جوشؔ کے خطوط کا عکس بھی شامل کر دیا ہے جو اس واقعہ کی تصدیق ہے 'خطوطِ جوشؔ کے بارے میں ڈاکٹر سیّد عبد اللہ لکھتے ہیں:

> ''جوشؔ کے خطوں میں بے باک صاف گوئی ہے، چناں چہ ایک خط میں لکھا ہے۔۔۔ مَیں بدنامی اور تلخی کی حد تک صاف گو انسان ہوں۔ بس ان کے خطوط ہی کچھ ایسے ہیں۔ اور اگرچہ ضروری نہیں کہ ان کا ہر خط لازماً بدنام کنندہ اور تلخی ہو مگر صاف گوئی کا عنصر ہر جگہ ہے۔''۷

جوشؔ ملیح آبادی نے اپنے وجدان اور عقیدے کے مطابق صاف گوئی کو اختیار کیا ہے اور اپنی جرأت رندانہ کو بروئے کار لاتے ہوئے تمام واردات کو خطوط کی شکل میں پیش کر دیا ہے۔ جو ان کی صاف گوئی اور بے باکی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ جوشؔ نے خطوط میں نئے القابات کے ساتھ اپنے مخاطب کو پکارا ہے۔ کبھی شدتِ جذبات سے اور بعض اوقات نرم خوئی کے ساتھ، دیگر احباب کے نام خطوط میں بھی جوشؔ نے شخصیت کے مقام و مرتبہ کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ بعض خطوط بالکل ہی مختصر ہیں لیکن میر زا جعفر حسین، منور عباس، خورشید علی خان، راغب اور فتنہ آخر الزماں کے نام خطوط میں طوالت آجاتی ہے۔ وہ درمیان میں شعروں کا برجستہ استعمال بھی کرتے ہیں۔ ان کے اُسلوب پر فارسی زبان و اَدب کے اثرات زیادہ ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، ''اُردو خط نگاری'' مشمولہ نقوش، مکاتیب نمبر، لاہور: شمارہ ۶۵۔۶۶، نومبر ۱۹۵۷، ص ۳۴

۲۔ سید عبد اللہ، ''اُردو خط نگاری'' مشمولہ نقوش، مکاتیب نمبر، لاہور: شمارہ ۶۵۔۶۶، نومبر ۱۹۵۷ء، ص ۳۴

۳۔ سید عبد اللہ، ''اُردو خط نگاری'' مشمولہ نقوش، مکاتیب نمبر، لاہور: شمارہ ۶۵۔۶۶، نومبر ۱۹۵۷، ص ۳۴

۴۔ داؤد رہبر، سلام و پیام، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۳

۵۔ راغب مراد آبادی، مرتب، ''خطوطِ جوش ملیح آبادی'' کراچی: ویلکم بک پورٹ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۶

۶۔ راغب مراد آبادی، مرتب، ''خطوطِ جوش ملیح آبادی'' کراچی: ویلکم بک پورٹ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲

۷۔ سید عبد اللہ، ''اُردو خط نگاری'' مشمولہ نقوش، مکاتیب نمبر،، لاہور: شمارہ ۶۵۔۶۶، نومبر ۱۹۵۷ ص ۲۳